قرآن شناسی

قرآن حکیم اور مسائل عرفان

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

اسلام آفاقی مذہب ہے، اس مذہب کی نشرواشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء ومرسلین کو داعی اور ہادی بناکر مبعوث فرمایا۔سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سید المرسلین احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ جب تک ظاہری حیات کے ساتھ یہ انبیاء دنیا میں رہے، خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کے معارف اور اس کے اسرار کے حصول کی راہیں بتاتے رہے۔سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد انبیاء ومرسلین کی یہ داعیانہ وراثت علماء کو ملی، اور وہ اس لئے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد تاقیام قیامت علم اور ارشاد کے سلسلہ کو جاری وساری رکھا جاسکے۔

قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ۔[1]

(لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں) اس کتاب ہدایت کی بہتر تعلیم کے لئے خود ہادی عالم مبعوث ہوئے اور آپ کی بعثت کا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم اور اس کے ساتھ تزکیۂ نفس قرار پایا، قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر واضح لفظوں میں اشارہ ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ [2]

قرآن حکیم کی اس آیت میں تزکیۂ نفس کو اولیت دی گئی ہے، اور بعض آیات میں تزکیہ نفس کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پورے قرآن حکیم میں چھ مقامات پر تزکیہ نفس کا ذکر ملتا ہے۔ ان آیات میں کہیں تزکیۂ نفس کو مقدم اور کہیں کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد اسے بیان کیا گیا ہے۔ بحث یہاں تقدم وتاخر کی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو کتاب ہدایت اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوئی، اس میں کارنبوت میں تزکیۂ نفس پر بھی خصوصی زور کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ

۱۔ البقرہ، ۱۸۵، ۲۔ ایضاً، ۱۵۱

پہلے انسان کے نفس کا تزکیہ کیا جائے اور دل کو صاف وشفاف کر کے آئینہ بنایا جائے تا کہ ''نور الٰہی'' کی شعاعوں سے انسان کا دل مجلّٰی بن سکے اور بندۂ حق اپنے دل کو دنیاوی خرافات کی آماجگاہ نہ بنا کر ''یاد الٰہی'' سے اسے معمور رکھ سکے۔ اللہ کے وہ بندے جو اپنے دل کو ہمیشہ یادالٰہی سے معمور رکھتے ہیں اور علائق دنیا سے بیگانہ ہوکر اپنی بیش قیمت زندگی عبادت وریاضت میں بسر کرتے ہیں، وہی درحقیقت خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ عبادت وریاضت کے متعدد طریقے ہیں، مگر عبادت کا وہ طریقہ جس میں بندہ یہ تصور کرے کہ میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہوں، شریعت اسلام میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پیدل چلتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی ملاقات پر اور آخر قبر سے اٹھنے پر ایمان لائے۔

اس نے کہا یا رسول اللہ اسلام کیا ہے؟ ''فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے، اس طرح کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور نماز ادا کرے اور فرض زکوۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھے۔''

اس نے عرض کیا یارسول اللہ احسان کیا ہے؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو پھر اس طرح کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[1]

یہ حدیث بہت طویل ہے اور علماء کے یہاں حدیث حدیث جبرئیل مشہور ہے۔ اس طویل حدیث میں محل نظر یہی آخری جملہ ہے جس کا تعلق 'احسان' سے ہے۔ شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی نزھۃ القاری میں حدیث کے اس ٹکڑہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''یہی تصوّف کی اصل ہے جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان اصل الاصول ہے۔ اس کی فرع اعمال ہیں۔ اعمال کی ادائیگی کے اعتبار سے تین درجے ہیں:

۱۔ اول حسب تفصیل فقہ شرائط کے ساتھ ارکان ادا کر لئے جائیں۔ اس سے آدمی فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ یہ عوام کیلئے ہے۔

۱۔ بخاری شریف، جلد اول، حدیث نمبر ۳۴

۲۔عبادت میں کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خواص کا مقام ہے۔
۳۔عبادت میں یہ حضور وشہود ہو گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔[۱]

عبادت کی روح جسے حدیث جبرئیل میں احسان کہا گیا ہے اگر عبادت سے جدا ہو جائے تو محض ظاہری افعال باقی رہ جائیں گے جن میں نہ ذوق ہوگا، نہ نورانیت اور نہ سکون قلب ہوگا اور نہ روحانیت۔"

بقول ڈاکٹر اقبال:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

احسان کا لفظ کوئی اجنبی اور غیر مانوس نہیں ہے، یہ لفظ کتاب الٰہی اور سنت نبوی میں اپنی تعریف اور تمام شعبہ ہائے ضرور یہ کے ساتھ موجود ہے۔ اور احسان کا جو اصل مفہوم ہے، اسی معنی میں قرآن حکیم میں یہ آیات کریمہ موجود ہیں۔

۱۔إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ☆ كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ الَّيْلِ مَايَهْجَعُوْنَ☆ وَبِالْأَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ☆وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ☆ [۲]

بیشک وہ اس سے پہلے نیک نیکوکار تھے، وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے اور اس کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔

۲. تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ☆ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ☆ اَلَّذِين يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْأٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ☆ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ☆ [۳]

(یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں جو ہدایت اور رحمت ہیں نیکوں کے لئے اور جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں، وہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور انہیں کا کام بنا۔)

حدیث جبرئیل سے یہ بات مکمل طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ احسان اسلام میں کسی غیر ضروری شئی کا نام نہیں بلکہ دین کا تیسرا رکن ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کرتا تو گویا کہ اس کا دین مکمل نہیں۔احسان ہی کا دوسرا نام تصوّف اور عرفان ہے۔ اس زمانہ میں یہ احسان اسی

۱۔شریف الحق امجدی، نزہتہ القاری، جلد اول، ص ۳۲۲، مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۴ء،
۲۔الذاریات، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹
۳۔لقمان، ۲، ۳، ۴، ۵

نام سے متعارف ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

"تصوف بعرف شرع نام او احسان است"[1] (تصوف کو عرف شرع میں احسان کہتے ہیں)

تصوف ایسا علم ہے جس میں نفس کی بیماری کے علاج اور اس کے اسباب سے متعلق بحث کی جاتی ہے تا کہ سالک کو اس قابل بنایا جا سکے کہ وہ مرتبہ فلاح و کمال تک پہونچ سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى[2]

بیشک مراد کو وہ پہونچا، جو ستھرا ہوا۔

تصوف نام ہے صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے اخلاق کا، جن کی اقتداء کرنے اور جن سے ہدایت حاصل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ طریقت میں شیخ کامل کی صحبت اور اس کی اقتداء بہت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ[3] اور اس کی راہ چل جس نے میری طرف رجوع کیا۔ یہ صحبت اس لئے ضروری ہے کہ اس کے باعث سالک کے نفس سے ہر طرح کی رعونت نکل جاتی ہے۔

طریقت میں انسان کی بصیرت روشن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ہمت بھی بلند ہو جاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ ہر شخص سے اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے علاوہ ہر شخص پر سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

طریقت میں ذکر الٰہی کی کثرت ہوتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں صحبت شیخ سے استعانت کی جاتی ہے۔ ذکر الٰہی سے دل مذکیٰ ہوتا ہے اور اسے ایسی طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے جو دنیا کے کسی کارخانہ میں میسر نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ[4]

"سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے" اور اس ذکر کی کوئی حد نہیں۔ جس قدر ذکر الٰہی کیا جائے گا، بندہ کے حق میں مفید ہوگا۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ☆ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا[5]

"اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بولو"

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے دوسرے دو ارکانوں کی طرح احسان بھی بڑی

۱۔ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء، جلد ۲، ص ۱۳۲۔ ۲۔ الاعلیٰ، ۱۵۔ ۳۔ لقمان، ۱۵

۴۔ الرعد، ۱۵ ۵۔ الاحزاب: ۴۱، ۴۲

اہمیت کا حامل ہے۔تصوّف کے حاملین کو صوفی کہا جاتا ہے۔ ایک صوفی کے لئے جن بنیادی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے، ان میں درج ذیل صفات بڑی اہمیت کی حامل مانی جاتی ہیں:

۱۔ اس کا دل صاف ہو۔

۲۔ اپنے نفس کو وہ ہلاک کر چکا ہو۔

۳۔حرص وہوس اور طمع سے جنگ آزمائی کر کے وہ کامیاب ہو چکا ہو۔

۴۔ متبع سنّت ہو۔

۵۔ جاہ دنیا سے متنفر اور بیزار ہو۔

۶۔تمام رشتے توڑ کر صرف اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر چکا ہو۔

۷۔ ہر وقت یادالٰہی میں غرق رہتا ہو۔

یہ وہ اہم صفات ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک صفت سے بھی صوفی عاری ہو جائے تو وہ صوفی کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔

انہی فضائل ومحاسن کی بنیاد پر امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف ''المنقذ من الضلال'' میں اس طور وطریق کو احسن وافضل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

''اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والے صوفیائے کرام ہی ہیں اور انہی کی سیرت وعادت سب سے افضل وبرتر ہے، انہی کا طریقہ وراستہ سب راستوں سے سیدھا ہے، ذکرالٰہی کے اخلاق سب اخلاق سے پاکیزہ ہیں۔ جو طریق ایسا مقدّس ہو، اس کی پہلی شرط ماسوی اللہ سے دل کا پاک وصاف ہونا اور اس کا پہلا مرحلہ ذکر الٰہی میں دل کا مستغرق ہونا اور اس کا آخری درجہ بالکلیہ فنافی اللہ ہونا ہے۔[۱]

راہ طریقت کے مسافر کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ وخشیت ربانی ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اسے اپنے رب کی یقینی معرفت حاصل ہو کیونکہ معرفت رب کے بعد دل میں تقویٰ کا ہونا ناگزیر ہے۔ جب دل میں تقویٰ ہوگا تو اس کا اثر اس کے اعمال اور طرز عمل پر ہوگا۔ صفات صوفیاء میں تقویٰ اور خشیت ربانی خشت اول کا درجہ رکھتی ہے، اسی لئے قرآن حکیم میں متعدد بار انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے :

۱۔غزالی ،المنقذ من الضلال، مطبوعہ قاہرہ، ص ۳۳

۱۔ یٰٓأَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّکُمْ وَاخْشَوْاْ یَوْماً لاَّ یَجْزِیْ وَالِدٌعَن وَلَدِہٖ [۱]
اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا۔
۲۔ قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِینَ ءَامَنُواْ اتَّقُواْ رَبَّکُمْ [۲]
اے میرے بندو جو ایمان لائے، رب سے ڈرو۔
۳۔ یٰٓأَیُّھَا الَّذِینَ ءَامَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰہَ وَقُولُواْ قَوْلاً سَدِیداً [۳]
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔

اسی طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر التقو کے ذریعہ بندوں کے دل میں خشیت پیدا کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی نہ صرف تلقین کی گئی ہے بلکہ اس کی طرف واضح لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ صاحب تقویٰ ہوجاتے ہیں، وہ اللہ کے محبوب ہوجاتے ہیں، اسی لئے متعدد مقامات پر إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِینَ [۴] اور أَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِینَ [۵] جیسے الفاظ سے ان کی ستائش کی گئی ہے۔ تقویٰ کا تعلق براہ راست متقیوں کے قلب سے ہے، اس لئے پاکیزگی قلب پر صوفیاء خصوصی توجہ دیتے ہیں۔

صفائی قلب:

صوفی کے صفات میں صفائی قلب کو بنیادی شرط قرار دی گئی ہے صفائی قلب کی یہ عظیم دولت بندہ کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سالک کثرت مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ کدورت کو دور کرکے دل کو بالکل آئینہ بنالیتا ہے۔ جب بندہ کو یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو پھر انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کی شعاعیں براہ راست اس کے دل پر منعکس ہونے لگتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے۔

إِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضْغَۃً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَاوَھِیَ الْقَلْبُ [۶]
جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر یہ ٹھیک ہے تو پورا جسم ٹھیک ہے، اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے۔

انسانوں کو دیگر مخلوقات پر جو شرف وفضیلت حاصل ہے اس کا سبب معرفت ربّانی کے حصول کی صلاحیت ہے اور یہ معرفت یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننا، اس سے محبت کرنا، اس کی تجلّیات کا مشاہدہ کرنا، اس کا قرب حاصل کرنا، یہ سب قلب کے کام ہیں۔ باقی تمام اعضاء قلب کے تابع اور اس کے خادم

۱۔ لقمان، ۳۳ ۲۔ الزمر، ۱۰ ۳۔ الاحزاب، ۷۰ ۴۔ التوبہ، ۴ ۵۔ ایضاً، ۱۲۳
۶۔ الجامع الصحیح للبخاری، جلد اول، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۱۳

ہیں۔ درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ قلب بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفۂ روحانی ہے۔ یہی دراصل روح کی حقیقت ہے اور یہی نفس کی باطنی کیفیت بھی۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں قلب کی خصوصی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ [1]

بے شک! اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ قلب کی اس عظمت کا اعتراف امام احمد رضا قادری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا [2]

ہلاکت نفس

دوسری صفت صوفی کی ہلاکت نفس ہے۔ علماء نے نفس کے متعدد معانی بتائے ہیں لیکن صوفیاء نے نفس کے جو معانی بتائے وہ اس سے قدرے مختلف ہیں۔ تمام ارباب طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس درحقیقت تمام شر اور برائی کا سرچشمہ ہے، اسی سے کمینہ خصلتیں اور برے افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے افعال دو طرح کے ہیں: ایک معصیت (نافرمانی) اور دوسرے کمینہ خصائل جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ تمام باتیں جو عقل اور شریعت کے نزدیک مذموم اور رکیک ہیں، نفس کے اعمال بد ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبیؐ نے بعثت کا مقصد بندوں کے نفوس کا تزکیہ قرار دیا۔ انھیں تعلیمات نبوی کی روشنی میں ارباب طریقت بھی نفس کی اصلاح کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی جڑ اور مجاہدہ کی اصل ہے۔ اس کے بغیر بندہ راہ حق نہیں پاسکتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

۱۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى [3]

اور نفس کو خواہش سے روکا، تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے نفس کا۔

۲۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي [4]

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ بے شک! نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب حکم کرے۔

۱۔ ق، ۳۷ ۲۔ امام احمد رضا، حدائق بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷، ۳۔ النازعات، ۴۱، ۴۰ ۴۔ یوسف، ۵۳

اتباع سنّت :

یہ صوفیاء اور مشائخ کے یہاں لازمی جز ہے۔ یہ ایسا وصف ہے کہ لاکھ اس کی ذات سے حیرت انگیز کارناموں کا صدور ہو لیکن اگر وہ متبع سنّت نہیں تو وہ کسی حال میں بھی صوفی نہیں ہوسکتا۔

اسی اتباع رسولؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے محبت کی نشانی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ[۱]

اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جس نے نبیؐ کی اطاعت کی، وہ میری اطاعت کر چکا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[۲]

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے خصوصیت کے ساتھ اتباع نبیؐ پر توجہ دی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی کے پاس کوئی شخص مرید ہونے کی نیت سے گیا اور مسلسل ان کی بارگاہ میں ایک ماہ قیام پذیر رہا۔ جب وہ چلنے لگا تو حضرت جنید بغدادی نے آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں تو آیا تھا مرید ہونے کی نیت سے مگر میں نے آپ کے اندر کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو مجھے متاثر کرسکے۔ تو آپ نے فرمایا: تم میرے پاس ایک ماہ رہے، اس مدّت میں تم نے میرا کوئی عمل سنّت کے خلاف دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ اس طرح اگر صوفیائے کرام کی پوری زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کس طرح اتباع سنّت مصطفیٰؐ میں بسر کی ہے۔

ذکر الٰہی:

ذکر الٰہی صوفیائے کرام کی روحانی غذا ہے۔ اس کے بغیر ان حضرات کی زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات درج ہیں، جن میں کثرت ذکر کی ترغیب دی گئی ہے، خواہ وہ ذکر جلی ہو یا ذکر خفی۔ تمام سلاسل میں ذکر حق کے بغیر سالک کو تصوّف کی چاشنی ہرگز نہیں مل سکتی۔ قرآن حکیم میں ہے۔: ۱۔ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[۳]

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

۲۔ يَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ☆ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا[۴]

۱۔ آل عمران، ۳۱ ۲۔ النساء، ۸۰ ۳۔ الجمعہ، ۱۰
۴۔ الاحزاب، ۴۱۔۴۲

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی کا ذکر کرو۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ذکر کثیر وہ ہے جو کسی حال میں فراموش نہ ہو۔ یہ ذکر صوفیاء کی اصطلاح میں ''ذکر'' اور 'یادداشت'' سے بھی متعارف ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰماً وَقُعُوداً وَعَلىٰ جُنُوبِكُمْ [1]

تو اللہ کو یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

جو لوگ اللہ کا ذکر تے ہیں اور یاد الٰہی میں ہمیشہ غرق رہتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالذّٰاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيراً وَالذّٰاكِرٰاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً [2]

اور اللہ کو سب یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کررکھا ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے اپنے آپ کو ہمیشہ یاد الٰہی میں غرق رکھا اور ہمیشہ ببانگ دہل یہ اعلان کرتے رہے کہ

نہ کسی سے کام، نہ واسطہ — مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے — تری یاد سے، ترے نام سے

مراقبہ:

ذکر الٰہی میں صوفیائے کرام ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں پر زور دیتے ہیں۔ البتہ بعض سلاسل کے مشائخ نے ذکر جلی اور بعض نے ذکر خفی کو مستحسن مانا ہے۔ ذکر خفی کا ایک طریقہ مراقبہ بھی ہے۔ مراقبہ کے ذریعہ خدا کا تصور دل میں جمانے اور پھر اس کے ذریعہ دنیا سے بیگانہ ہوجانے کا سلسلہ تمام مشائخ کے یہاں صدیوں سے ہے۔ اسی عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں مراقبہ کہا جاتا ہے۔ مراقبہ کے لغوی معنی اونٹ کی گردن پر سوار ہوکر یار کی جانب روانہ ہونا اور اصطلاح تصوّف میں دوست کے حضور گردن جھکادینے اور دوست کو نظر میں رکھنے کے مراقبہ کہتے ہیں:

ہر خیالِ غیرحق را وزد دان — این ریاضت سالکان را فرض دان

۱۔ النساء، ۱۰۳ ۲۔ الاحزاب، ۳۵

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کے لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اس کے کوئی بھی دھیان میں نہ رہے۔ اور اس میں اصل وہی حدیث ہے جس میں اللہ کے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو عبادت کرے، اللہ کی اس طرح کہ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ دھیان کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ قرآن حکیم کی معتدد آیات اور الفاظ ایسے ہیں جن پر مراقبہ کیا جاسکتا ہے۔:

مثلاً قرآن حکیم کے یہ الفاظ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ [1]

یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں کہیں تم رہو۔ اسکا تصور سالک کرے۔ مراقبہ کرنے پر قرآن حکیم کی یہ آیات دلیل ہیں:

۱۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً [2]

بے شک! اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

۲۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيباً [3]

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

۳۔ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ [4] بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں۔

مندرجہ بالا بیان صاف ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر اس کے ہر ہر اعمال، افعال اور حرکات سے واقف ہے۔ انسان کا کوئی عمل اور حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں۔

وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود:

صوفیائے کرام میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں نظریہ کے حامل پائے جاتے ہیں۔ فلسفۂ وحدۃ الوجود کے موجد شیخ محی الدین ابن العربی ہیں، جب کہ نظریہ وحدۃ الشہود کے بانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ بتائے جاتے ہیں۔

۱۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ [5] اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔

۲۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [6]

تو تم جدھر منھ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت) تمہاری طرف متوجہ ہے۔

۱۔ الحدید، ۴ ۲۔ النساء، ۱ ۳۔ الاحزاب، ۵۲ ۴۔ الفجر، ۱۴

۵۔ النور، ۳۵ ۶۔ البقرہ، ۱۱۵

۲۔ یَأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا۔ [۱]

اے ایمان والو! صبر کرو اور دوسروں کو صبر کی تعلیم دو اور کمریں [جہاد کے لئے] کس لو۔

۳۔ إِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُونَ اَجْرَهُم بِغَیْرِ حِسَابٍ [۲]

صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا، بے گنتی۔

۴۔ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُورِ [۳]

بے شک! جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک سو چار آیات ایسی ہیں جن میں کہیں صراحۃً اور کہیں کنایۃً صبر کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔

توبہ واستغفار:

اصطلاح شرع میں ہر شرعی مذموم سے باز رہ کر شرع محمود کی طرف پلٹ آنے کا نام توبہ ہے اور لغوی اعتبار سے توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ صوفیائے کرام کے یہاں ایسی توبہ جو مکر وفریب کے شائبہ سے خالی ہو، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

یَاأَیُّهَاالَّذِینَ اٰمَنُوا تُوبُوا إِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحاً [۴]

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو لوگوں کو نصیحت ہو جائے''میں شاید اسی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ کی طرف اس طرح رجوع کرو کہ وہ مکر وفریب کے شائبہ سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد جگہ کیا ہے۔

۱۔ إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِینَ [۵] بیشک! اللہ پسند کرتا ہے بہت ستھرا رہنے والوں کو۔ [۶]

۲۔ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ [۶] اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو۔

۳۔ وَتُوبُوا إِلَی اللّٰهِ جَمِیعاً أَیُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ [۷]

اے مومنو! تم سب توبہ کرو خدا کے حضور میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس طرح قرآن حکیم میں ستاسی آیات ایسی ہیں جن میں مختلف انداز میں بندوں کو توبہ واستغفار

۱۔ آل عمران، ۲۰۰ ۔ ۲۔ الزمر، ۱۰ ۔ ۳۔ الشوریٰ، ۴۳ ۔ ۴۔ التحریم، ۸ ۔ ۵۔ البقرہ، ۲۲۲

۶۔ ھود، ۳ ۔ ۷۔ النور، ۳۱

ان دونوں آیتوں سے صوفیائے کرام 'وحدۃ الوجود' اور 'وحدۃ الشہود' اور مخلوقات میں اللہ کی تجلی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

توکل

توکل نام ہے اس احساس وشعور کا کہ اللہ تعالیٰ کو زندگی پر مکمل غلبہ واختیار حاصل ہے اور زندگی کی ساری حرکات وسکنات اسی کے تابع ہیں۔ بالفاظ دیگر تمام امور اللہ کے سپرد کردینے اور تدبیر واختیار کی تاریکیوں سے پاک ہونے کو توکل کہتے ہیں۔صوفیاء اور مشائخ نے اسی لئے توکل پر زیادہ زور دیا ہے۔صوفیائے کرام نے جو توکل اختیار کیا اور متوکلانہ زندگی بسر کی، اس کی اصل قرآن حکیم کی یہ آیات ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [۲]

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ کریں۔

۲۔ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ [۳]

کہو! اللہ میرے لئے کافی ہے، اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

۳۔ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ [۴]

اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔

۴۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [۵]

اور اللہ سے ڈرو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

۵۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ [۶]

بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

صبر وشکر

مثل مشہور ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ صرف مثل ہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حقیقت اور واقعیت سے بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ [۷] بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین نئی دہلی، ص ۶۵۱۔ ۲۔ التغابن، ۱۳ ۳۔ الزمر، ۳۸
۴۔ الطلاق، ۳ ۵۔ المائدہ، ۱۱ ۶۔ آل عمران، ۱۵۹ ۷۔ البقرہ، ۱۵۳

کے ذریعہ حق کی جانب رجوع کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

فقر و درویشی:

بارگاہ احدیت میں فقر کا بڑا مقام ہے۔ صاحبان فقر کو اللہ تعالیٰ نے خاص منزلت و رحمت سے نوازا ہے۔ داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''فقر و درویشی کا مطلب ہے کہ اس کے پاس مال دنیا میں سے کچھ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی چیز کا متمنّی ہو یعنی اسباب دنیا کی موجودگی سے نہ وہ غنی ہو، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج، بلکہ اسباب کا ہونا نہ ہونا دونوں اس کی نظر فقر میں یکساں ہوں''[۱]

اللہ کے نبیؐ نے اسی فقر کو ' الفقر فخری'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعض مستشرقین اور تصوف مخالف حضرات کا کہنا ہے کہ فقر و زہد کے جو عناصر صوفیاء میں پائے جاتے ہیں وہ نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد اور لغو بات ہے۔ فقر و زہد کا اصل مصدر اسلام ہے، نہ کہ نصرانیت یا مجوسیت۔ قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں دنیا سے کم سے کم تعلق رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْلَمُوْا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ[۲]

جان لو! دنیا کی زندگی تو کچھ نہیں ہے مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور اولاد اور مال میں ایک دوسرے پر زور زیادتی چاہنا۔

سورہ کہف کی آیت نمبر ۴۵ اور سورہ فاطر کی آیت نمبر ۵ اسی مفہوم کی وضاحت میں ہے جس سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ فقر و درویشی خالص اسلامی ہے اس کی اصل کتاب و سنّت ہے۔ صاحبان فقر کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر و منزلت سے نوازا ہے اسکی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَطِيعُونَ ضَرْباً فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمٰهُمْ لَايَسْئَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً[۳]

ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔ یہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

۱۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، رضوی کتاب گھر، دہلی، ص ۵۱ ۲۔ الحدید، ۲۰ ۳۔ البقرہ، ۲۷۳

سرکار دو عالمؐ کی پوری زندگی اس آیت کریمہ کی مکمل آئینہ دار تھی۔ وہ امارت سے دور اور فقر سے قریب تر تھے۔

محبت الٰہی:

وہ کسی غرض ومقصد خاص کی خاطر عبادت الٰہی نہیں کرتے تھے۔ صوفیاء کرام نے سیرت نبوی کی پیروی کی اور فقط خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے عبادت کی، کیونکہ جس عبادت وریاضت میں غرض ومقصد شامل ہو، وہ قابل قبول نہیں۔ وہی عبادتیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں جو خالص محبت الٰہی کی بنیاد پر ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً [1]

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں:

''مودّت ومحبت اور باہمی الفت صوفیوں کے اخلاق کا ایک وصف ہے'' [2] یعنی برادرانہ موافقت اور ترک مخالفت۔ خداوندعالم نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اللہ والوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [3]

(یہ) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اصل شئی وہی ہے جو خدا کی محبت میں کی جائے۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری نے حضرت رابعہ بصری سے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضرت رابعہ نے جواب دیا:

''میں خدا کی عبادت جہنم کے ڈر سے نہیں کرتی، نہ حقیقت کی امید میں کرتی ہوں اگر میں ایسا کروں تو مجھ سے بڑھ کر بدبخت اور بڑا مزدور کون ہوگا۔ میری عبادت کی بنیاد تو صرف یہ ہے کہ میں اپنے معبود سے محبت کرتی ہوں۔ اسی کے شوق میں جیتی ہوں۔''

حضرت رابعہ بصری کے اس خیال وفکر کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہے:

۱۔ المزمل، ۸ ۲۔ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف دہلی، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۴ ۳۔ الفتح، ۲۹

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ [1]

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ اُن کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے، یہی نفس جب اہل وعیال کے ساتھ اس طرح زندگی گزارے کہ فرض کی پکار سے کان بند کر لینے کو ترجیح دینے لگے تو اہل وعیال کی محبت بھی اس شخص کے لئے ہلاکت خیز بن جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ [2]

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بی بیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اپنے دل سے اپنے اہل وعیال کی محبت محو کر دے، بلکہ وہ اپنے خاندان اور اہل وعیال کے ساتھ اس طرح محبت کرے جو اسے فرض کی ادائیگی سے نہ روکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ [3]

جان لو کہ بیشک تمہاری اولاد اور تمہارے بچے آزمائش ہیں اور بیشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ [4]

۱۔ المائدہ، ۵۴ ۲۔ التغابن، ۱۴ ۳۔ الانفال، ۲۸ ۴۔ المنافقون، ۹

اے ایمان والو! نہ تمہارے مال نہ تمہاری اولاد، کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے وہی نقصان میں ہے۔

آخر میں اس مقالہ کا اختتام عربی کے ان دو اشعار سے کرنا چاہوں گا:

علم التصوّف علم لیس یعرفه　　اخوفطنة بالحق معروف

ولیس یعرفه من لیس یشهده　　و کیف یشهد ضو الشمس مکتوف

(علم تصوّف وہ علم ہے جس کو وہی جان سکتا ہے جو صاحبِ عقل سے مشہود ہو۔ جو اسکا مشاہدہ نہیں کرتا ہے، وہ اسے ہرگز نہیں جان سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی کا اندھا کیسے مشاہدہ کرسکتا ہے؟)